© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

جہاد اور شرائطِ جہاد

سید جلال الدین عمری

جہاد جنگ کے معنی میں

قرآن و حدیث میں جہاد کا لفظ جن معنوں میں آیا ہے اس کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے[1] اس کا استعمال عام طور پر قتال اور جنگ کے لیے ہوتا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب 'القاموس المحیط' میں جہاد کے معنی 'القتال مع العدو' (دشمن سے جنگ) بیان ہوئے ہیں[2]

لغتِ حدیث کے ماہر علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں۔

الجہاد محاربۃ الکفار وھو المبالغۃ واستفراغ مافی الوسع والطاقۃ من قول او فعل[3]	جہاد منکرین سے جنگ کو کہا جاتا ہے۔ اس میں اپنی قوت اور طاقت کے آخری حد تک استعمال کا تصور ہے، چاہے وہ قول سے ہو یا عمل سے۔

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس لفظ میں جدّوجہد اور مشقّت کا تصور ہے لیکن

---

[1] ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ اکتوبر۔ دسمبر سنہ ۲۰۰۰ء

[2] مجد الدین فیروز آبادی، القاموس المحیط، مادہ جہد۔ ص ۲۵۰۔ دار الفکر، بیروت لبنان ۱۹۹۵ء

[3] ابن اثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث، مادہ جہد: ۱/ ۳۱۹۔ دار احیاء التراث العربی بیروت، نیز ملاحظہ ہو ابن منظور، لسان العرب، مادہ 'جہد'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریعت میں اس کے معنی ہیں :

بذل الجهد فی قتال الکفار[1] کفار سے قتال میں قوت صرف کرنا

ملا علی قاریؒ نے لغت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس میں جدّ و جہد اور مشقت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :

ثم غلب فی الاسلام علی قتال الکفار[2] پھر اسلام میں اس کا غالب استعمال کفار سے جنگ کے لیے ہونے لگا۔

قرآن مجید کی بکثرت آیات میں جہاد کا لفظ قتال کے معنی میں آیا ہے۔ ایک جگہ قتال پر گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں ہوا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ... (البقرہ:۲۱۶) تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔

یہ گفتگو اس آیت پر ختم ہوئی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ:۲۱۸)

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اس میں واضح طور پر جہاد فی سبیل اللہ کی اصطلاح قتال یا جنگ کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔

جنگِ احد کے پس منظر میں ارشاد ہے :

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو معلوم نہیں کیا ہے جو تم میں سے لڑنے والے ہیں اور ان لوگوں

---

[1] ابن حجر، فتح الباری : ۶/۷۷ - دار الفکر، بیروت ۱۹۹۶ء

[2] ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح : ۷/۳۴۸ - دار الفکر بیروت : ۱۹۹۴ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ
رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ
(آل عمران: ۱۴۲، ۱۴۳)

کو نہیں معلوم کیا ہے جو ثابت قدم رہنے
والے ہیں۔ تم اس سے پہلے (اللہ کی راہ
میں) مرنے کی تمنا کر رہے تھے اب تم
نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

یہ پوری بات جنگ کے سیاق میں کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اندر سے ان جانبازوں کو دیکھنا چاہتا ہے جو جہاد کے لیے نکلیں اور میدان کارزار میں پامردی کا ثبوت دیں۔ اس سے پہلے تم لوگ اللہ کی راہ میں جان دینے کی آرزو کر رہے تھے اور جان دینا چاہ رہے تھے۔ اب جب کہ اس کا موقع آیا اور آنکھوں کے سامنے موت دکھائی دینے لگی تو تم کمزوری دکھا رہے ہو۔

جہاد کی فضیلت

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیات میں دشمن سے جنگ اور مقابلہ کو جہاد قرار دیا گیا ہے اور اس سلسلہ کے احکام اور ہدایات دی گئی ہیں۔ قرآن و حدیث میں جہاد کی غیر معمولی فضیلت بیان ہوئی ہے، اس پر گناہوں سے مغفرت اور جہنم سے نجات کا وعدہ کیا گیا ہے اور آخرت میں جنت کی ابدی نعمتوں اور دنیا میں اقتدار اور سربلندی کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ
تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ
عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ
وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں
ایک ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں (آخرت
کے) دردناک عذاب سے نجات
دے۔ وہ یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس
کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے
راستہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے
جہاد کرو۔ یہ تمہارے حق میں، اگر
تم جانو تو بہتر ہے (اس سے) اللہ تعالیٰ
تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تمہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ	ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور ہمیشہ
وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ	کے باغات میں پاکیزہ مکانات دے گا.
جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ	یہ بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ
الْعَظِيْمُ ٥ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ	ایک وہ چیز بھی ملے گی جو تم چاہتے ہو.
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ	وہ ہے اللہ کی مدد اور قریب کی فتح۔
الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (الصف: ۱۰-۱۳)	اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو۔

احادیث میں جہاد کی غیر معمولی فضیلت آئی ہے۔ اسے بہت سی نفل عبادات سے افضل اور برتر قرار دیا گیا ہے، اگر کسی وقت یہ فرض قرار پا جائے تو بعض دوسرے فرائض سے زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے؟ آپؐ نے فرمایا تم اسے کر نہیں سکو گے۔ دو یا تین بار یہی سوال کیا گیا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ فرمایا:

مثل المجاهد في سبيل	اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے
الله كمثل الصائم	کی مثال اس روزے دار کی ہے جو
القائم القانت بآيات	رات میں انابت کے ساتھ اللہ تعالیٰ
الله لا يفتر من صيام	کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے قیام
ولا صلوٰة حتى يرجع	کرے، نہ روزے ختم کرے اور نہ نماز۔
المجاهد في سبيل	یہ ثواب مجاہد کو ملتا رہے گا جب
الله تعالىٰ[1]	تک کہ وہ لوٹ نہ آئے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لغدوة في سبيل الله	اللہ کے راستہ میں ایک صبح یا ایک
او روحة خير من	شام گزارنا دنیا اور اس میں پائی

---

[1] مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشہادۃ فی سبیل اللہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الدنیا وما فیہا [1] جانے والی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ فرائض کے بعد جہاد سے زیادہ فضیلت والا عمل کوئی دوسرا نہیں ہے [2]

ایک حدیث میں ایمان کے بعد جہاد کو سب سے افضل عمل کہا گیا ہے اور حج کا ذکر جہاد کے بعد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔ دریافت کیا گیا۔ اس کے بعد کس عمل کی فضیلت ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ اس کے بعد فضیلت والے عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا 'حج مبرور' وہ حج جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو [3]

جہاد میں آدمی اللہ کے راستہ میں گھر بار چھوڑتا ہے۔ اسی طرح حج میں بھی وہ اللہ ہی کی رضا اور خوشنودی کے لیے گھر سے نکلتا ہے لیکن جہاد جس وقت فرض عین ہو جائے اور محاذ جنگ پر جانا دوسرے فرائض کے مقابلہ میں زیادہ اہم قرار پائے تو اسے حج پر ترجیح حاصل ہوگی۔

اسلامی ریاست کی سرحد کی حفاظت کس قدر باعث اجر و ثواب ہے، حضرت سہل بن سعدؓ کی ایک روایت میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

رباط یوم فی سبیل اللہ	اللہ کے راستہ میں سرحد کی حفاظت
خیر من الدنیا وما علیہا،	کے لیے ایک دن قیام کرنا دنیا اور
وموضع سوط احدکم من	اس کے اوپر پائی جانے والی سب
الجنۃ خیر من الدنیا	چیزوں سے بہتر ہے جنت میں تمہارے
وما علیہا، والروحۃ	کوڑے (کے برابر) جگہ دنیا اور اس

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ، مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ۔ [2] ابن قدامۃ، المغنی: ۱۰/۳۰
[3] بخاری، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الایمان باللہ افضل الاعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یروحہا العبد فی سبیل اللہ او الغدوۃ خیر من الدنیا وما علیہا [1]

اللہ کے راستہ میں بندہ ایک شام یا ایک صبح جو گزارتا ہے وہ دنیا اور اس کے سارے ساز و سامان سے بہتر ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جہاد کرنا، حرم کعبہ، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ میں اعتکاف کرنے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنے سے افضل ہے[2]

کیا جہاد ناحق خوں ریزی ہے

ان آیات اور احادیث میں جہاد پر جنت کی بے پایاں نعمتوں اور دنیا کی فتح و کامرانی کی خوش خبری دی گئی ہے۔ اسے شب و روز کی نفل نمازوں اور مسلسل روزوں سے افضل قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایک دن کا جہاد ساری دنیا کی دولت سے بہتر ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جہاد کی یہ فضیلت، اس کی یہ ترغیب اور اس کا یہ اجر و ثواب کیا قتل و غارت گری، ناحق خوں ریزی اور ظلم و زیادتی کے لیے ہے؟ کیا یہ بات اسلام کی مجموعی تعلیمات سے میل کھاتی ہے؟ کوئی بھی غیر جانب دار شخص جس نے اسلام کا سرسری سا مطالعہ بھی کیا ہے وہ اس کا تصور تک نہیں کرسکتا۔ اسلام، جس نے دنیا کو امن و سلامتی کا درس دیا، جس نے طبقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی نوعِ انسانی کو اخوت و مساوات کی راہ دکھائی، جس نے دنیا کو حقوقِ انسانی کے تصور سے آشنا کیا، جو ان حقوق کا سب سے بڑا وکیل ہی نہیں بلکہ پاسبان اور محافظ بنا رہا، کیا اسی نے جہاد کے حکم کے ذریعہ اپنی ہی تعلیمات پر خطِ تنسیخ کھینچ دیا؟ جس دین نے ظلم و زیادتی کے تمام راستے

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۵-۶۔ دار العربیۃ، بیروت لبنان ۱۳۹۸ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بند کیے تھے وہ جورِ ناروا کا علم بردار بن گیا؟

بعض لوگ، ان تمام حقائق کو نظر انداز کر کے، جہاد کا نام آتے ہی اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگتے ہیں کہ وہ جنگ پسند، خوں خوار اور مخالفِ امن مذہب ہے۔ وہ دنیا میں امن وامان اور صلح وآشتی قائم کرنے کی راہ میں سنگِ گراں ہے۔

ریاست کے لیے فوج کی اہمیت

جہاد کی ترغیب کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ کسی بھی حکومت کے لیے فوج یا عسکری طاقت ضروری ہے۔ وہ اس کی توانائی کا بڑا ذریعہ اور اس کے بقا کی ضمانت ہے۔ اس کے بغیر اس کا وجود ہی خطرے میں رہے گا۔ بہت سی حکومتیں فوج ہی کے بل پر وجود میں آئیں اور قائم رہتی ہیں۔ فوج ریاست کے داخلی فتنوں اور شرارتوں کو فرو کرتی اور بیرونی حملوں سے اس کی حفاظت کرتی ہے۔ وقتِ ضرورت بعض فلاحی اور رفاہی کاموں میں بھی اس سے مدد لی جاتی ہے۔ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہ خدمات انجام دیتی ہے۔ اس کے لیے اسے خاص طرح کی تربیت دی جاتی ہے، مسلح کیا جاتا ہے، اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے، اس کے حوصلے بلند رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کی خدمات کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ ان سب باتوں کو جائز بلکہ قومی اور ملکی مفاد میں ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن اسلام جب اللہ کے دین کی سربلندی اور اسلامی ریاست کی حفاظت کو جہاد کہتا ہے، اس کی ترغیب دیتا اور اسے کارِ ثواب قرار دیتا ہے تو اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے کہ اسلام خوں ریزی کی تعلیم دیتا اور خون آشامی کا چسکا لگاتا ہے۔

فوجی لحاظ سے مضبوط قوموں نے ظلم بھی کیا ہے

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض اوقات جب کوئی قوم فوجی لحاظ سے مضبوط ہوتی ہے تو کم زور قومیں اس کے جنگ جویانہ عزائم کی شکار بن جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ انھیں روندتی اور کچلتی ہوئی اپنے اقتدار کو بڑھاتی ہے۔ اس کے دستِ جور سے انسانی خون ٹپکنے لگتا ہے۔ اس کے حدودِ سلطنت میں ظلم کی دنیا آباد ہوتی ہے، عدل و انصاف اور حق و صداقت کا سورج ڈوبنے لگتا ہے، تہذیب و تمدن کے چمکدار نقوش اپنی تابانی کھو دیتے ہیں۔ محکوم قوم کے ہر نشان کو مٹانے کی کوشش ہوتی ہے۔ خیر اور بھلائی کے بہت سے دروازے بند ہو جاتے اور شر کی نئی نئی راہیں کھل جاتی ہیں۔ یہ سب دنیا نے دیکھا ہے اور اب بھی یہ مناظر اس کے سامنے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والوں کا رویّہ

بعض لوگ اسلامی جہاد کو بھی اسی نوعیت کی توسیع پسندانہ اور مذموم کوشش قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جہاد ایک خطرناک مذہبی جنگ ہے۔ یہ مذہب کے نام پر ایک خونی کھیل ہے۔ یہ کھیل اس لیے کھیلا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور اپنے مخالفین کو بزورِ شمشیر تمام انسانی حقوق سے محروم کر دیا جائے اور انھیں محکوم اور غلام بنا کر رکھا جائے۔

بڑی حیرت ہے کہ یہ بات ان لوگوں کی زبان سے نکلتی ہے خود جن کا دامن ظلم و ناانصافی سے تار تار ہے، جن کی شقاوت اور درندگی سے بھیڑیے بھی شرماتے ہیں، جن کے بے رحم ہاتھ معصوموں اور بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہیں، جن کے ظلم و ستم سے کمزور قومیں کراہ رہی ہیں، جو حقوق کی پاسبانی کے نام سے حقوق کی پامالی کی داستان رقم کر رہے ہیں۔ جن کو دنیا نے ظلم کے دوست اور انصاف کے دشمن کی حیثیت سے دیکھا ہے، جو محض طاقت کے زور سے ناحق کو حق اور ظلم کو عدل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پوری دنیا پر ایک خاص قسم کا نظامِ فکر و عمل مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام کا اور جہاد کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے جیسے دنیا بھر کے فتنہ و فساد، خون ریزی اور دہشت گردی کا وہی ذمہ دار ہے۔ یہ اپنا رویہ بدل دے تو دنیا امن، چین اور راحت کی سانس لے سکتی ہے۔ جب تک اسلام اپنے تصورِ جہاد کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ موجود ہے، فضا میں خطرات منڈلاتے رہیں گے اور موقع بہ موقع آگ برستی رہے گی۔

سوال یہ ہے کہ ماضی قریب میں دنیا نے دو بڑی جنگیں دیکھیں اور ان کی تباہی و بربادی کا اسے تجربہ بھی ہوا۔ کیا یہ جنگیں اسلام نے برپا کی تھیں یا ان کے سلسلہ میں اسلام کہیں زیرِ بحث تھا؟ اس وقت پوری دنیا، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بارود کے ڈھیر پر کھڑی ہے۔ ہر طرف خوف و دہشت اور اندیشوں کا ماحول ہے۔ کہیں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور کہیں جنگ کی فضا پائی جاتی ہے۔ امریکہ اور روس دنیا کی دو سپر طاقتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے درمیان نصف صدی تک سرد جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ انھوں نے جس بڑے پیمانے پر جنگی تیاری کی اور جس طرح کے تباہ کن اسلحے جمع کیے، ماضی میں شاید اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ ان کی سرپرستی میں دنیا عملاً دو بلاکوں میں تقسیم ہوگئی اور ہر ایک نے اپنے بلاک کو دوسرے بلاک کے خلاف مسلّح کرنا شروع کر دیا۔ روس کی شکست و ریخت کے بعد اب تنہا امریکہ کو قیادت کا مقام حاصل ہے۔ وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے خلاف بولنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ وہ پوری دنیا کو معاشی، سیاسی اور تہذیبی ہر لحاظ سے کنٹرول کر رہا ہے۔ جو اس سے اختلاف کرے وہ اس کے نزدیک دہشت گرد اور سب سے بڑا مجرم ہے۔ اسے زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ وہ ہر مخالف کو صفحۂ زمین سے مٹا دینا چاہتا ہے اور جسے مٹا سکتا ہے اسے مٹا دیتا ہے۔

اس وقت امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک دفاع کے خوب صورت نام سے جس بڑے پیمانہ پر جنگی تیاری کر رہے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۰۰۰ - ۱۹۹۹ء میں امریکہ کا دفاعی بجٹ دو سو سڑسٹھ بلین سے زیادہ (267.7 bn.) کا تھا۔ برطانیہ جو امریکہ کے مقابلہ میں ایک چھوٹی طاقت ہے، اس کا دفاعی بجٹ سینتیس بلین کے قریب (36.884 bn.) تھا۔ فرانس کا بجٹ تقریباً چالیس بلین (39.831 bn.) تھا، جرمنی کا بتیس بلین سے زیادہ (32.8 bn.) تھا۔ اسرائیل جو ہندوستان کے ایک صوبہ کے برابر بھی نہیں ہے، جس کی پرورش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکہ اور مغربی ممالک کر رہے ہیں۔ جنگی تیاری پر اپنے کل بجٹ کا (21.4%) صرف کر رہا ہے جو آٹھ بلین سے زیادہ (8.7 bn) ہے۔

اس میں وہ رقمیں شامل نہیں ہیں جو بعض دوسرے مدات کے تحت خرچ کی جاتی ہیں اور بالواسطہ دفاعی ضروریات کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ملک کا بجٹ بہت سے غریب اور ترقی پذیر ممالک کے کل بجٹ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن وہ بھی دفاع پر خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔ ہندوستان چین کے بعد دنیا کی دوسری بڑی آبادی اور عظیم جمہوریت ہے۔ اس کا کل بجٹ (73.6 bn) تھا یہ امریکہ کے محض دفاعی بجٹ کا تقریباً ¼ ہے۔ ہندوستان نے اپنے بجٹ کا 17.5% دفاع پر صرف کیا۔[1]

اس خوفناک جنگی تیاری اور اس پر بے تحاشا اربوں ڈالر کے خرچ کے دو اسباب ہیں۔ ایک سبب آپس کا خوف، اندیشہ اور بدگمانی ہے کہ کہیں حریف طاقت ہم پر حملہ نہ کر بیٹھے، دوسرا سبب غلبہ اور تسلط کی خواہش اور دوسروں کو زیر کرنے اور مغلوب رکھنے کا جذبہ۔ ان گھناؤنے ارادوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اسلام، اسلامی جہاد اور اسلامی دہشت گردی کے الفاظ اس طرح استعمال ہوتے ہیں جیسے یہ سب کچھ اس سے بچنے اور اسے ختم کرنے کے لیے ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

جہاد کے حدود وشرائط

جو لوگ اسلام کے تصورِ جہاد کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں وہ یہ جانتے نہیں یا جاننا نہیں چاہتے کہ درحقیقت جہاد ہے کیا؟ جہاد کا حکم کس کے لیے ہے؟ اس کے مخاطب کون ہیں؟ یہ کن حالات میں فرض قرار پاتا ہے؟ اور کب اس کی فرضیت جواز میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ اور کب اس کا جواز ختم ہو جاتا ہے؟

---

[1] یہ اعداد وشمار ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء کے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ C.I.A. Factbook. at http odci, Gov/cia Publications/ Fact Book.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے شرائط و آداب کیا ہیں؟ پھر آج کے دور میں احکامِ جہاد کا انطباق کس طرح ہوگا؟ جب تک یہ تمام پہلو اچھی طرح واضح نہ ہو جائیں، جہاد اور اس سے متعلق احکام اور ان کے پیچھے کارفرما حکمت و معنویت سمجھی نہیں جا سکتی۔

جہاد کا تعلق فرد اور ریاست دونوں سے ہے۔ ایک مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست کا شہری ہو تو اس کے احکام الگ ہیں، اگر وہ اسلامی ریاست کا باشندہ ہے تو اس کے احکام جدا ہیں۔ اسی طرح اسلامی ریاست کا معاملہ ہر غیر اسلامی ریاست کے ساتھ یکساں نہیں ہوگا، بلکہ اُن سے تعلقات کی نوعیت پر منحصر ہوگا۔ ان کے احکام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

غیر اسلامی ریاست میں جہاد نہیں ہے

جو مسلمان کسی غیر اسلامی ریاست کا شہری ہے اور وہاں اُسے دین کے اظہار و اعلان اور دعوت و تبلیغ کے مواقع حاصل ہیں تو اس کی ذمہ داری ہے کہ اللہ کے دین پر قائم رہے اور دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتا رہے۔ اس راہ میں جو مشکلات پیش آئیں انھیں صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ اگر کسی ملک میں اس کے مواقع ہی موجود نہ ہوں تو جہاں مواقع ہوں وہاں ہجرت کر جائے۔ کسی غیر اسلامی ملک میں رہتے ہوئے جہاد کا کوئی جواز نہیں ہے[1]

اللہ کے رسولوں کا نمونۂ عمل

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جن قوموں میں مبعوث ہوئے وہ کفر و شرک میں مبتلا تھیں اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی قائل نہیں تھیں۔ وہ اس سے بے نیاز ہو کر اپنی خود ساختہ راہوں پر چل رہی تھیں۔ باپ دادا کے طریقے اور قدیم روایات

---

[1] ہجرت کس وقت لازم قرار پاتی ہے، کب اس کا جواز رہتا ہے اور موجودہ بین الاقوامی حالات میں ہجرت کے کیا امکانات ہیں؟ اس پر تفصیل سے بحث اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جنوری۔ مارچ ۲۰۰۱ء، بعنوان "غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کا شرعی موقف"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کے لیے سند کا درجہ رکھتے تھے۔ اُن سے وہ ہٹنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ ان قوموں میں اللہ کے رسولوں نے اس کے دین پر جس طرح عمل کیا اور اس کے احکام کی جس طرح پابندی کی اس سے یہ راہ نمائی ملتی ہے کہ کسی غیر اسلامی ماحول یا غیر اسلامی ملک میں ایک صاحبِ ایمان کا رویہ کیا ہونا چاہیے اور اُسے کیسی زندگی گزارنی چاہیے؟

قرآن مجید نے اللہ کے پیغمبروں کی تاریخ۔ کسی پیغمبر کی اختصار سے اور کسی کی تفصیل سے ــــ بیان کی ہے۔ یہ تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں نے اس کے دین کی دعوت دی تو بہت تھوڑے لوگ اس پر ایمان لائے اور ان کا ساتھ دیا۔ برسرِ اقتدار طبقہ نے اور اس کی اتباع میں اکثریت نے مخالفت شروع کر دی۔ وقت کے ساتھ یہ مخالفت شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی۔ انھیں ہر طرح کی اذیتیں دی گئیں اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ انھیں دھمکی دی گئی کہ وہ دینِ کفر و شرک اختیار کریں ورنہ انھیں ملک بدر کر دیا جائے گا۔

حضرت شعیبؑ سے کہا گیا:

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ (اعراف: ۸۸)	ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں انھیں ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا (کیا تم ہمیں اس کے لیے مجبور کرو گے) اگر ہم اسے (دلیل کی بناپر) ناپسند ہی کر رہے ہوں۔

حضرت لوطؑ کی دعوتِ توحید اور اخلاقی تعلیم کا جو ردِّ عمل سامنے آیا وہ یہ تھا:

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ (النمل: ۵۶)	اس کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ انھوں نے کہا لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ صورتِ حال اور پیغمبروں کے ساتھ بھی پیش آئی، چنانچہ ایک جگہ عمومی انداز میں کہا گیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (ابراہیم: ۱۳)	جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی انھوں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم یقیناً تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس پر ان کے رب نے ان پر وحی نازل کی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کریں گے۔

بعض اوقات پیغمبروں کے قتل کے منصوبے بھی تیار ہوئے، انھیں ہجرت بھی کرنی پڑی۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا بطورِ خاص ذکر موجود ہے۔ (الصافات: ۹۹) جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو بالکل ٹھکرا دیا اور انھیں ہلاک کرنے کے درپے ہوگئے ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ تباہ کر دی گئیں۔ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھی اس سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ اللہ کے رسولوں کی مخالفت اور اس کے انجام کا ذکر چند لفظوں میں اس طرح بیان ہوا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الروم: ۴۷)	ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول ان کی قوموں کے پاس بھیجے۔ وہ ان کے پاس دلائل کے ساتھ پہونچے (لیکن انھوں نے ان کی تکذیب کر دی) تو ہم نے ان لوگوں سے جو مجرم تھے انتقام لیا (اور اہلِ ایمان کی مدد کی) ہم پر حق تھا کہ اہلِ ایمان کی مدد کریں۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن کسی پیغمبر اور اس کے ماننے والوں کو اپنی قوم کے درمیان رہتے ہوئے نہ تو جہاد کا حکم دیا گیا اور نہ اس کا کوئی ثبوت ہی ہے کہ انھوں نے جہاد کیا۔ اس کے سمجھنے میں ہمیں حضرت موسیٰؑ کی سیرت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص طور پر رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی سیرت سے راہنمائی

حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ توحید کو فرعون نے یہ سمجھا کہ یہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے کی کوشش ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات دیکھنے کے بعد اس نے اپنے درباریوں سے اور اعیانِ سلطنت سے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝
(الشعراء: ۳۴، ۳۵)

فرعون نے ان سرداروں سے جو اس کے آس پاس تھے کہا کہ بے شک یہ علم رکھنے والا جادوگر ہے۔ یہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں اپنی زمین سے نکال دینا چاہتا ہے۔ تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟

فرعون کے درباریوں اور اس کی قوم کے سرداروں نے بھی یہی کہا کہ موسیٰؑ اور ان کی قوم، آپ کے اور آپ کے معبودوں کے خلاف ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ انھیں اس کا موقع دینا اور صرفِ نظر کرنا بڑی نادانی ہوگی۔ اس فکرمندی کے جواب میں فرعون نے کہا۔ گھبرانے اور پریشان ہونے کی بات نہیں۔ ہم ان کی نسل ہی کا خاتمہ کر دیں گے اور انھیں کچل کر رکھ دیں گے۔ یہ ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝
(الاعراف: ۱۲۷)

فرعون نے کہا کہ ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے۔ ہمیں ان پر اقتدار اور قوت حاصل ہے۔

اس سے پہلے بھی فرعون یہی کچھ کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب اسے مزید زور اور قوت سے جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساحرانِ مصر نے بھی شروع میں یہی کہا تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے زور سے آپ کو ارضِ مصر سے نکال باہر کرنا اور آپ کی روایات اور پسندیدہ طریقوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں (طٰہٰ:۶۳) لیکن جلد ہی ان جادوگروں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ حضرت موسیٰؑ ساحری کا کرتب نہیں دکھا رہے بلکہ اللہ کی طرف سے معجزات پیش فرما رہے ہیں۔ وہ آپ پر کھل کر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون طیش میں آگیا اور انھیں ہاتھ پیر کاٹ کر مثلہ کرنے اور تختۂ دار پر لٹکانے کی دھمکی دی لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی (طٰہٰ:۶۵-۷۳) کہا جاتا ہے کہ سولی دینے کا رواج اسی سے شروع ہوا۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو تبدیلیٔ دین اور فساد فی الارض کی کوشش قرار دے کر انھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا اور کہا۔

ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی	مجھے چھوڑ دو موسیٰ کو قتل کر ڈالوں۔
وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ	اسے اپنے رب کو (مدد کے لیے)
اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ	پکارنا چاہیے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں
یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝	وہ تمہارا دین نہ بدل دے یا زمین
(غافر:۲۶)	میں فساد نہ برپا کر دے۔

ایک مردِ مومن نے فرعون اور اس کے درباریوں کو اس ناروا اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اس کے انجامِ بد سے آگاہ کیا۔ (غافر:۲۸)

اس طرح حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو فرعون نے اپنے دین و مذہب، اپنی روایات اور اپنے اقتدار کے لیے ایک چیلنج تصور کیا۔ یہی بات اپنی قوم کو سمجھائی، قوم نے بھی اس سے اتفاق کیا اور اس کا ساتھ دیا۔ بنو اسرائیل پر اس کی سختی اور ظلم و زیادتی جاری رہی۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ کے حکم سے فرعون کے سامنے مطالبہ رکھا کہ وہ بنو اسرائیل پر جو عذاب ڈھا رہا ہے اسے ختم کرے اور بنو اسرائیل کو مصر سے باہر نکال کر لے جانے کی اجازت دے۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت دی اس کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا   اے موسیٰ اور ہارون تم دونوں فرعون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ٥ (طٰہٰ : ۴۷)

کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ساتھ بنو اسرائیل کو بھیج دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، سلامتی ہے اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو اس کی اجازت نہ دی۔ حضرت موسیٰؑ اللہ واحد کی بندگی اور اطاعت کی جو دعوت دے رہے تھے وہ بڑی جاندار تھی۔ دلائل کے میدان میں فرعون انھیں شکست نہ دے سکا، اس وجہ سے خود فرعون کی قوم کے افراد بھی حضرت موسیٰؑ پر ایمان لا رہے تھے۔ اس نے ان سب کو تشدد اور ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا۔

حضرت موسیٰؑ نے اس طویل دور شدائد اور سخت کشمکش کے ماحول میں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے اور اس سے استعانت کی ہدایت فرمائی۔ قوم کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ فرعون کے اقتدار سے ہراساں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آج ہے کل ختم ہو سکتا ہے۔ تمہاری مظلومی بھی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ یہ دن بھی گزر جائیں گے۔ قرآن کے الفاظ میں:

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥ (الاعراف : ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور (بہتر) انجام متقیوں کے لیے ہے۔

فرعون کی سختی اور جور و تشدد پر آپ نے قوم سے کہا کہ وہ اللہ پر اعتماد اور توکّل کا مظاہرہ کرے۔ یہی دین و ایمان کا تقاضا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ

موسیٰ نے کہا اے میری قوم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ فَعَلَیۡہِ تَوَکَّلُوۡۤا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ ﴿ (یونس: ۸۴)

لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس پر توکل اور بھروسہ رکھو۔ اگر تم فرماں بردار ہو۔

اس کے نتیجہ میں قوم اللہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

فَقَالُوۡا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ وَ نَجِّنَا بِرَحۡمَتِکَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿ (یونس: ۸۵-۸۶)

پس انھوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔ (اے ہمارے رب ہمیں ظالم قوم کے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنادے اور اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو حکم ہوا کہ بنو اسرائیل کے لیے چند مکانات مخصوص کر دیں جن میں وہ نماز با جماعت کا اہتمام کریں۔ ان کی تعمیر اس طرح ہوئی کہ ان کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا (یونس: ۸۷) ان مکانات کی حیثیت مساجد کی تھی۔ یہ ان کی شیرازہ بندی کی تدبیر تھی۔ اسی سے انھیں بکھرنے اور منتشر ہونے سے بچایا جا سکتا تھا۔ بالآخر وہ مرحلہ آیا جب کہ حضرت موسیٰؑ ایک خاص منصوبے کے تحت اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے، دریائے نیل پار کیا، فرعون اور اس کی قوم نے آپ کا تعاقب کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے غرق ہو گئے۔ (البقرہ: ۵۰، الشعراء: ۵۷-۶۲)

حضرت موسیٰؑ جب تک مصر میں رہے، اپنی قوم کی اصلاح و تربیت کے لیے جو اقدامات ممکن تھے سب کیے۔ انھیں اللہ کی عبادت، اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے دین پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی اور جب حکم ہوا پوری قوم کو لے کر مصر سے نکل گئے۔ لیکن مملکتِ فرعون میں رہتے ہوئے فرعون سے جہاد کا فیصلہ نہیں کیا اور اس کے لیے کسی قسم کی فوجی اور عسکری تیاری کا ذکر بھی ہمیں نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک غیر اسلامی ملک میں اس کے مواقع اور حالات نہیں تھے، اس لیے وہ اس کے مکلف بھی نہیں تھے۔

بعد کے ادوار میں بنو اسرائیل نے اللہ کے حکم سے جنگیں کیں۔ ان کا ذکر قرآن میں ہے۔ یہ جنگیں ایک آزاد قوم کی حیثیت سے لڑی گئی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہؐ کا اسوہ

یہی صورتِ حال رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئی۔ بعثت کے بعد آپ مکہ میں تیرہ (۱۳) سال رہے۔ اس مدت میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو سخت ترین حالات سے گزرنا پڑا۔ طنز و تعریض، تحقیر و تذلیل، ذہنی اذیت رسانی، قید و بند، زد و کوب، قتل، معاشی اور معاشرتی مقاطعہ، سب کچھ پیش آیا۔ بہت سے اصحاب نے آپ کے مشورے سے ایک سے دو بار حبشہ ہجرت کی۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی جانے لگیں، آپ کو ہمدرد افراد اور قبائل سے مدد کی درخواست کرنی پڑی۔ بعض اوقات یہ مدد حاصل بھی ہوئی، اس پوری مدت میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے، دین پر مضبوطی سے قائم رہنے، اس کی دعوت دینے، اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے ہر ایک کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے عفو و درگزر سے کام لینے، صبر و ثبات اور استقامت کا ثبوت دینے اور جلد بازی سے احتراز کرنے کی تعلیم و تلقین کی جاتی رہی۔ اسی کو کلیدِ فتح و نصرت قرار دیا گیا۔ یہاں صرف ایک حوالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ٥ (الروم: ۶۰)	پس صبر کرو۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے، تمہیں ہرگز ہلکا نہ پائیں۔

مکہ میں شروع سے آخر تک اسی رخ سے تربیت ہوتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تلوار اٹھانے اور جہاد کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جب ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو جہاد کی اجازت ان الفاظ میں دی گئی۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ	وہ لوگ جن سے جنگ کی جارہی ہے انھیں بھی جنگ کی اجازت دی گئی اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نَقَدِيْرٌ ۝ (الحج : ۳۹) اور اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔

امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جہاد کی اوّلین اجازت ہجرت کے بعد ملی تھی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

اول ما شرع الجهاد بعد الهجرة النبوية الى المدينة اتفاقاً [۱]	مدینہ کی طرف ہجرتِ نبوی کے بعد پہلی بار جہاد مشروع ہوا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

مکہ اور مدینہ میں اس فرق کے دو خاص اسباب ہیں: ایک یہ کہ جہاد کے لیے سیاسی قوت واقتدار اور باقاعدہ عسکری نظام کی ضرورت ہے۔ یہ ریاست ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ مکہ میں مسلمان ایک غیر اسلامی اقتدار کے تحت زندگی گزار رہے تھے۔ انھیں یہ سیاسی اقتدار اور قوت حاصل نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی بھی ریاست کے اندر تلوار اٹھانے کا لازمی نتیجہ خانہ جنگی اور فساد کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اس کی لپیٹ میں صرف سیاسی اور فوجی قوت ہی نہیں بلکہ شہری آبادی بھی آئے گی، ناحق خوں ریزی ہوگی، بے گناہ اور معصوم افراد مارے جائیں گے عام انسانی حقوق پامال ہوں گے اور ان حدود وقیود کی پابندی نہ ہو سکے گی، جن کی پابندی کا اسلام حالتِ جنگ میں بھی حکم دیتا ہے۔ یہ فساد فی الارض ہے۔ اس سے کوئی اعلیٰ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ (باقی)

---

[۱] ابن حجر، فتح الباری، ۶/ ۱۲۰

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک قیمتی اور اہم کتاب

مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں

صفحات: ۶۰ قیمت: ۸ روپئے

اس وقیع کتاب کا انگریزی ترجمہ

MUSLIM WOMEN: ROLE AND RESPONSIBILITIES

کے نام سے شائع ہوا ہے۔ انگریزی جاننے والے قارئین کے لیے ایک تحفہ: صفحات: ۶۰ قیمت: ۲۰ روپیے

ملنے کا پتہ: مکتبۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

© rasailojaraid.com